FEB
2024

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اس ملک کا نجات دہندہ کون؟!

''اگر ہم اخلاقی طور پر، باطنی طور پر، ذہنی طور پر اور عملی طور پر بھی اپنے کو ممتاز و فائق ثابت کر دیں تو اس ملک کی قیادت کے ہم طالب نہیں ہوں گے، ملک کی قیادت خود ہماری طالب ہوگی۔ ہمیں سورج کا چراغ لے کر ڈھونڈے گی، یہاں کی خاک کے ذرہ ذرہ، درخت کے پتے پتے سے آواز آئے گی کہ اس ملک کو بچانے والے کہاں ہیں؟ آئیں اور ملک کو بچائیں۔ آپ کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ کو کچھ آسانیاں چاہئیں، کچھ آسامیاں چاہئیں۔ آپ ملک کے نجات دہندہ ہیں اور آپ اس ملک کی آخری امید ہیں۔'' (مسلمانان ہند کے لیے صحیح راہِ عمل: ۱۶-۱۷)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي
دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

قوموں کی کامیابی اور عروج کی بنیادی شرط

علامہ سید سلیمان ندویؒ

’’دنیا کی قوموں کے حالات نگاہ کے سامنے رکھنے سے یہ بات کتنی صاف نظر آتی ہے کہ ہر قوم کو دنیا میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے کتنی جدوجہد، کتنی محنت اور کتنے صرف جان ومال کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ راز قرآن پاک کے ہر صفحہ میں نمایاں ہے: ﴿جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ﴾ اور ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ وغیرہ سینکڑوں آیتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ نفس اور مال کا مجاہدہ کامیابی کی پہلی شرط ہے، جس قوم نے اس شرط کو پورا کیا‘ وہی کامیابی کے میدان میں سب سے آگے نکلی۔

میں نے ایک دفعہ ۱۹۲۶ء میں خلافت کانفرنس دہلی کے صدارت نامہ میں جو جامع مسجد دہلی اور لال قلعہ کے درمیان والے میدان میں منعقد ہوئی تھی‘ کہا تھا کہ اگر شاہجہاں کی طرح لال قلعہ کے تخت طاؤس پر بیٹھنے کی ہوس ہے تو پہلے بابر کی طرح بارہ برس ترکستان وافغانستان کے پہاڑوں سے سر ٹکراؤ، بدر وحنین کے بغیر فتوحات فاروقی سے لطف اٹھانے کا خواب شیریں سے زیادہ نہیں۔

دنیا تو جدھر جارہی ہے‘ جارہی ہے، سوال یہ ہے کہ مسلمان عیش وآرام کے بستر پر، اوج واقبال کی چوٹی پر چڑھنے کا جو خواب دیکھ رہے ہیں، وہ کہاں تک پورا ہوسکتا ہے؟ تغافل کی سرمستی، جان ومال کا بخل، عزم وہمت کا فقدان اور زندگی کے مقصد اعلیٰ سے محرومی ہماری ساری جدوجہد کو ناکام بنارہی ہے۔ ظاہر میں نظر آتا ہے کہ ہم دوڑ رہے ہیں، حالانکہ ہم اپنی جگہ کھڑے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ دوڑ رہے ہیں، کیونکہ ہم دوڑ کی گفتگو اور دوڑ کی سمت متعین کرنے میں پوری طرح مصروف ہیں۔

زندگی قوت کا نام ہے، جو قوم قوت سے محروم ہے وہ زندگی سے محروم ہے، ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (دشمنوں سے مقابلہ کے لیے جو تم سے ہوسکے وہ تیار رکھو) کا قرآنی فلسفہ اسی تعلیم کی طرف اشارہ کرتا ہے، اگلے مفسروں نے اپنے زمانہ کی حالت کے مطابق قوت کی تفسیر تیراندازی کی مشق سے کی تھی، مگر قوت کی یہ تشریح زمانہ کی حالت کے لحاظ سے بدلتی رہے گی اور قرآن پاک کے لفظ کا عموم اپنی وسعت کے دامن میں ہر اس چیز کو سمیٹتا رہے گا جس سے دشمنوں کی طاقت کا مقابلہ کیا جاسکے۔

دوسرے اسلامی ملکوں کو چھوڑ کر صرف ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی وتنزل کے سارے مراتب کو پیش نظر رکھئے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے جیسے جیسے مجاہدانہ طور وطریق کو چھوڑ کر عیش وراحت کی زندگی سے خوگر ہونا شروع کیا، ہر میدان سے ان کا قدم ہٹتا گیا اور بالآخر عیش وراحت کا وہ سامان بھی ان سے چھن گیا جس کے لیے وہ اپنا دین ودنیا سب کچھ قربان کررہے تھے۔‘‘

(شذرات سلیمانی: ۳/ ۲۳۸-۲۴۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۶ | رجب المرجب ۱۴۴۵ھ-فروری ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۲

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”لاَ يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلاَ وَبَرٍ إِلاَّ أَدْخَلَهُ اللَّهُ كَلِمَةَ الإِسْلاَمِ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ ذُلِّ ذَلِيلٍ إِمَّا يُعِزُّهُمُ اللَّهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ أَهْلِهَا أَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِينُونَ لَهَا“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(روئے زمین پر ایسا کوئی کچا پکا گھر باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کردے، وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا جنہیں عزت دینی چاہے گا انہیں اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہوگا وہ اسے نہیں مانیں گے لیکن اس کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔)

(مسند أحمد: ٢٤٥٤٣)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

ملک کو درپیش چیلنجز.....۴

.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مسلمانوں کی حکمتِ عملی کیا ہو؟.....۵

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

محنت اور لگن نہ کہ سستی اور کاہلی.....۶

.....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟.....۸

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

طلاق کے چند مسائل.....۱۰

.....مفتی راشد حسین ندوی

طاقت وقوت کے کرشمے.....۱۳

.....عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی

حقیقی خوشی.....۱۶

.....محمد امین حسنی ندوی

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں.....۱۹

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

اسی بت خانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر

جناب جگر مرادآبادیؒ

پہلے تو حسن عمل حسن یقیں پیدا کر
پھر اسی خاک سے فردوس بریں پیدا کر

یہی دنیا کہ جو بت خانہ بنی جاتی ہے
اسی بت خانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر

روح آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب
اٹھ اور اک جنت جاوید یہیں پیدا کر

خس وخاشاک تو ہم کو جلا کر رکھ دے
یعنی آتش کدۂ سوز یقیں پیدا کر

غم میسر ہے تو اس کو غم کونین بنا
دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر

آسماں مرکز تخئیل وتصور کب تک
آسماں جس سے خجل ہو وہ زمیں پیدا کر

دل کے ہر قطرہ میں طوفان تجلی بھر دے
بطن ہر ذرہ سے اک مہر مبیں پیدا کر

بندگی یوں تو ہے انسان کی فطرت لیکن
ناز جس پہ کریں سجدے وہ جبیں پیدا کر

پستی خاک پہ کب تک تری بے بال وپری
پھر مقام اپنا سر عرش بریں پیدا کر

عشق ہی زندہ وپایندہ حقیقت ہے جگرؔ
عشق کو عام بنا ذوق یقیں پیدا کر

عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

بلاشبہ موجودہ حالات انتہائی تشویش ناک ہیں، اس وقت پورے ملک میں جو ایک فضا بن رہی ہے اس سے ہر آدمی باخبر ہے۔ ایک عام انسان جو صرف میڈیا کو دیکھتا ہے ایسے حالات میں اس کی بے چینی بڑھنی ہی چاہیے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ابھی ۷۰ رفیصد آبادی ہمارے برادران وطن کی راہ سے نہیں ہٹی ہے، بے شک ان کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوششیں جاری ہیں لیکن ابھی ان کا ذہن اتنا مسموم نہیں ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ پھر انتخابات میں سیکولر جماعتوں کو شکست کیوں ہوتی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے بہت سے اسباب ہیں۔ الیکشن جیتنا بھی ایک فن ہے اور وہ کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے لوگوں کے طرز فکر کے سلسلے میں کوئی آخری رائے قائم کی جاسکے۔ اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اکثر وہ جیت معمولی تناسب سے ہوتی ہے، پھر دوسری طرف جو سیکولر ووٹس ہیں وہ اکثر تقسیم ہوجاتے ہیں اور ایک بڑی تعداد ہے جو ووٹنگ کرتی ہی نہیں۔ اگر ان کو جوڑا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ۷۰ رفیصد کی جو بات کہی گئی ہے وہ بڑی حد تک صحیح ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ۷۰ رفیصد آبادی آج بھی کھلے ذہن کی ہے لیکن وہ آپ کی منتظر ہے۔

ایک طرف سو سال کی محنت ہے اور وہ محنت کوئی معمولی نہیں ہے بلکہ پورے نظام، پوری ترتیب اور اپنے اصولوں کے ساتھ ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ وہی قوم ہے جس کے پاس کوئی بنیادی مقصد نہیں، سچی بات یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی دین نہیں، کوئی لائحہ عمل نہیں اور کوئی طریقہ زندگی نہیں۔ بس کچھ روایات اور چند رسمیں ہیں اور ان کی اپنی ایک پرانی تاریخ ہے، آج وہی قوم ایک مقصد کو لے کر آگے بڑھی اور اس نے اپنے کاز کو سامنے رکھ کر پورے اخلاص اور بڑی قربانیوں کے ساتھ محنت کی، جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔

لیکن یاد رکھئے! یہ چیزیں قطعاً کبھی مایوسی کی نہ رہی ہیں اور نہ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو کچھ دیا ہے وہ ایسا جوہر ہے کہ جس دن وہ دنیا کے سامنے آیا اور جس وقت راکھ کے ڈھیر سے ایمان کی چنگاری نکلی تو یہی مسلمان جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے، وہیں کہنے والے یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

جس دن وہ چنگاری فروزاں ہوگی، مسلمانوں کے اندر گویا کہ راکھ کا جو ڈھیر ہے اور اس کے نیچے جو آگ دبی ہوئی ہے، جب وہ راکھ ہٹے گی تو شاید پھر وہ صبح طلوع ہونے میں دیر نہیں لگے گی جو صبح ایک مرتبہ نہیں دسیوں مرتبہ طلوع ہوچکی ہے۔

آج ہمارے ملک میں جو حالات ہیں ان حالات کی تبدیلی کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم طے کرلیں کہ ہمیں اپنا ''ایمان'' مضبوط کرنا ہے اور اپنے ''اخلاق'' کو بلند کرنا ہے اور ''مکمل دین'' کو اختیار کرکے دین کی بہتر سے بہتر طریقہ پر ترجمانی کرنی ہے۔ دنیا آج جس پانی کی پیاسی ہے وہ پانی ہمارے پاس موجود ہے، وہ طریقہ زندگی ہمارے پاس موجود ہے، اگر ہم نے اس طریقہ کو اپنی زندگی میں نافذ کیا اور غیروں کے سامنے وہ نمونہ پیش کیا تو آج جو غیر نظر آتے ہیں، کل وہ اپنے ہوں گے اور آپ کو وہ اپنی پلکوں اور آنکھوں پر بٹھائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا کچھ بھی کرے اور کیسے ہی وسائل اختیار کرے اور ہمارے زوال کی کیسی ہی تدابیر اختیار کی جائیں لیکن اگر ہم حقیقی معنی میں ایمان والے ہیں اور ہماری زندگی سے اسلامی اخلاق کی ترجمانی ہوتی ہے تو آپ یاد رکھئے کہ اس وقت یہ دنیا کی ایک ضرورت ہے اور دنیا اسی کی پیاسی ہے اور یہی تمام مسائل کا ایک بنیادی حل ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ ہم نے فراموش کردیا اور اب ہم دوسروں کے سامنے کاسہ گدائی لیے کھڑے ہیں، حالانکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے کچھ دینے کے لیے پیدا کیا تھا نہ کہ لینے کے لیے، اگر آج بھی ہم دوبارہ وہی ایمان اور اخلاق کی وہی بلندی اختیار کرلیں، تو یقیناً دوبارہ پھر وہی حالات ہمارے سامنے آئیں گے اور انشاء اللہ مستقبل اسلام اور مسلمانوں ہی کا ہوگا۔

ملک کو درپیش چیلنجز

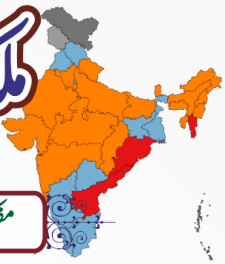

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اس وقت ہمارا ملک اور ہماری ملت دونوں ایسے خطرات ومصائب اور ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہیں جو ملکوں اور ملتوں کی زندگی اور تاریخ میں بعض اوقات صدہا برس کے بعد اور بعض اوقات اس سے بھی زائد عرصہ کے بعد پیش آتی ہے، اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی تو پہلے یہ ملت اپنے تشخص، اپنی مذہبی آزادی، اپنی ثقافت وتہذیب اور اپنے عزیز سرمایہ (معابد ومدارس، علمی ذخیرہ اور زبان وادب) سے محروم ہوگی، پھر یہ وسیع اور شاندار ملک مکمل طریقہ پر تباہ ہوکر رہ جائے گا۔ بغض وعناد، بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا، انسانی جان اور عزت وآبرو کی بے وقعتی مردم آزاری وآدم بیزاری، عقل پر جذبات کی حکمرانی، دوراندیشی پر کوتاہ اندیشی کا غلبہ، ملکی مفاد پر ذاتی اغراض کی ترجیح، جذبات کے پیچھے بہہ جانے اور کھوکھلے نعروں کے پیچھے دیوانہ بن جانے کی عادت، ایک ایسا زہر ہے جو بڑی سے بڑی قوم اور ملک کی ہستی کا خاتمہ کردیتا ہے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات، تنگ نظری، مفاد پرستی، حد سے بڑھا ہوا احساس برتری، جذبات سے مغلوب ہوجانے، روئی کی طرح جلد آگ پکڑ لینے اور بارود کی طرح بھک سے اڑ جانے کی صلاحیت، کسی ایک میدان میں محدود اور کسی ایک فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی، نفرت واقتدار کی بڑھتی ہوئی ہوس کی آگ کو اگر جلانے کے لیے ایندھن نہ ملے تو وہ خود کو کھانے لگتی ہے۔

ملک کی سیاسی جماعتیں ہر مسئلہ کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھنے، جماعتی نفع ونقصان اور انتخابات میں ہار جیت کے پیمانے سے ناپنے کی عادی اور پابند ہوچکی ہیں، وہ تخریب میں اپنی تعمیر، تفریق میں اپنا اتحاد اور دوسروں کے نقصان میں اپنا فائدہ اور اپنی ترقی سمجھتی ہیں۔ جس ملک میں انسانی جان اتنی ارزاں ہو کہ موہوم سیاسی مقاصد، محدود ذاتی اغراض اور عارضی اور مشکوک اقتدار کی خاطر سینکڑوں ہزاروں ہم وطنوں کی جان لی جاسکتی ہو، جہاں ایک نعرہ، ایک تقریر اور ایک اشتہار دیکھتے دیکھتے بیسیوں گھر بے چراغ اور سینکڑوں بچے اور عورتیں لاوارث کی جاسکتی ہوں، تنگ نظر اور مفاد پرست فرقہ وارانہ قیادت، احیاء پرستی کے جذبہ، غلط تاریخ اور غلط تعلیم وتربیت، غیر دیانت دار اور وطن دشمن صحافت (پریس) روزانہ نفرت وعداوت کے زہر کی ایک بڑی مقدار اس ملک کے علاقوں، کروڑوں باشندوں کے دل ودماغ میں اتارتی رہتی ہے، اس نے تصویر کا صرف ایک ہی رخ پیش کرنے کی قسم کھائی ہے، اس نے ہماری نئی نسل کے دماغوں کو اتنا مسموم کردیا ہے اور اس کو اتنا بے برداشت، غضب ناک اور زود رنج بنا دیا ہے اور اس میں مشتعل ہوجانے کی ایسی صلاحیت پیدا کردی ہے کہ سارا ملک بارود کی ایک سرنگ کی طرح ہوگیا ہے، جس کو ایک ذرا سے اشارے سے ہر وقت اڑایا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ کی ہندو احیائیت کی تحریک ہے، سینکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند، فراخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارہ کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو نئے مسائل ومشکلات سے دوچار کرے گی، جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت اور اسی طرح حکومت، انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت اور استحکام میں ضرورت ہے۔ تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے، اس کو جگانا نہیں چاہیے، اس کے پاس سے خاموشی سے نکل جانا چاہیے، تاریخ کو الٹا سفر کرانا اور ماضی کے گڑھے ہوئے مردوں کو اکھاڑنے کی کوشش کرنا (عبادت گاہوں کی تبدیلی وغیرہ) کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہے اور اس وقت ملک کو جن حقائق اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس میں اس کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے، اس سے ملک نئی نئی مشکلات اور غیر ضروری نزاعات میں پڑ جائے گا اور وہ ترقی پذیر زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

(ماخوذ از: ملک وملت دونوں خطرے میں)

مسلمانوں کی حکمت عملی کیا ہو؟

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہندوستان میں حالیہ سال مسلمانوں کے لیے خاصی فکرمندی اور تکلیف دہ حالات کے سال رہے ہیں اور ابھی اس کے اثرات باقی ہیں، اس میں جارحانہ ہندو احیائیت کی وہ منصوبہ بندی جس کا آغاز آج سے نصف صدی قبل ہوا تھا ایک حد تک برگ وبار لائی اور اس نے اپنی کوششوں کی کھیتی سے کچھ پیداوار حاصل کی۔

ہندو احیائیت نے مخالف اسلام پروپیگنڈے اور مسلم دشمنی کے پرچار سے یہ کام شروع کیا تھا اور حکومتوں کے افراد اور ملک کے سیاست داں عام طور پر ان تخریبی کوششوں کو غیر اہم سمجھ کر یا اس کو اپنے مذہبی تعصب کے ذہنی تقاضے کے مطابق سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے تھے، حتی کہ وہ وقت آ گیا کہ اس منصوبہ بندی کے عملی نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ـــــ اب یہ ملک کے سیکولر ڈھانچے کو صحیح سمجھنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ملک کے غلط رخ پر جانے کو کس طرح وہ روکیں تاکہ ملک یکجہتی اور جمہوریت وترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

ہندو احیائیت کی جو رَو اس وقت نظر آ رہی ہے بلکہ جس پر عمل درآمد ہو رہا ہے، اس کا تانا بانا ایک تو سیاسی ہے اور دوسرا تعلیمی وابلاغی ہے۔ جہاں تک اس کے سیاسی رخ کا تعلق ہے تو اس کا مقابلہ سیاسی طریقوں ہی سے کیا جا سکتا ہے ـــــ اور دوسرا پہلو جو تعلیمی وابلاغی ہے وہ دراصل بہت ہی اہم ہے، اس کے لیے مسلمانوں کو اس کے مقابلہ کے لیے ضروری تدابیر اختیار کرنا ہوں گی۔ اولاً مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کرنے کا جو سلسلہ ایک عرصہ سے چل رہا ہے اور جس کو اولاً انگریزوں نے اپنے زمانہ حکومت میں شروع کیا تھا تاکہ مسلمانوں کی ثقافتی واخلاقی برتری کو مٹا سکیں، اس کے ردّ واصلاح کے لیے مسلمانوں نے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا۔ مسلمان دانشوروں نے مسلمانوں کی تاریخ کو صاف وستھرے انداز میں اپنوں اور غیروں کے سامنے لانے کی تدبیر نہیں کی، کالجوں ویونیورسٹیوں میں غیروں کی تصنیف کی ہوئی کتابیں پڑھائی جاتی رہیں بلکہ مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے کالجوں میں بھی وہی پڑھائی جاتی رہیں، اس کی وجہ سے غیر مسلم تو غیر مسلم خود مسلمانوں کے ذہنوں کو بھی ان کتابوں نے مسموم کیا۔ ان کتابوں میں مسلمانوں کی تاریخ کو عموماً اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ان سے مسلمانوں کی پسماندگی بلکہ تشدد وبربریت کی تصویر سامنے آتی ہے۔ پھر ہندو احیائیت کے مسلم دشمن داعیوں نے مسلمانوں کی تاریخ کے واقعات کو ہندو دشمنی کا رنگ دے کر مسلم دشمنی کی فضا پیدا کی، اپنے روزمرہ کے تربیتی پروگراموں میں باقاعدہ ان کو مسلم بیزاری کا ذریعہ بنایا، جس کے نتیجہ میں موجودہ صورت حال کا پیدا ہو جانا بالکل مستبعد نہیں تھا۔

اب بھی وقت گیا نہیں ہے، وہ کام جو ہم کو پہلے سے کرنا چاہیے تھا، اس کا ہم اب بھی اہتمام کریں تو حالات کو بہتر بنانے میں ضرور مدد ملے گی، ہمارے دانشور غیر مسلم دانشوروں سے رابطے قائم کریں اور اسلامی طور وطریق وتعلیمات کو حکمت عملی کے ساتھ ان کی صحیح شکل میں ان کے سامنے لائیں، خواہ یہ سیمیناروں کی صورت میں ہو اور خواہ نجی طریقوں سے ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ ہم اپنی عملی زندگیوں کو اسلام کی دی ہوئی خوبیوں سے مزین کریں اور غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات میں صحیح اسلامی اخلاق اور خوبیوں کا اظہار ہو، تو کم از کم وہ غیر مسلم جن سے مسلمانوں کے تعلقات ہیں، مسلمانوں کو اسلامی خوبیوں کے ساتھ دیکھ کر ان کے ذہن صحیح ہوں گے، پھر ان کے ذریعہ دیگر غیر مسلموں کو مسلمانوں سے جو بدگمانیاں ہیں وہ دور ہوں گی اور اس ملک میں جہاں مختلف طبقات، مختلف نسلوں، مختلف مذہبوں کے لوگ آباد ہیں، یہاں کے سب رہنے والے آپسی تعاون وہمدردی کے ساتھ ملک کی ترقی اور خوش حالی کو بڑھا سکیں گے۔

(ماخوذ از: حالاتِ حاضرہ اور مسلمان)

محنت اور لگن نہ کہ سستی اور کاہلی

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

ذہن میں اکثر یہ سوال آتا ہے کہ یورپ نے ترقی کیسے کی؟ دنیاوی قیادت وسیادت اس کے ہاتھ میں کیسے آئی؟ مشرقی اسلامی ممالک کی تنزلی کے کیا اسباب ہیں؟ یورپ سے وہ کیوں پیچھے رہ گئے؟ قیادت وسیادت سے ان کو ہٹنا کیوں پڑا؟ یورپ نے ٹیکنکلی، اقتصادی، سیاسی، تہذیبی اور علمی طور پر کیسے فوقیت حاصل کی؟ اور ان کامیابیوں کو اس نے حاصل کیا جس کا تیرہویں صدی میں تصور کرنا بھی مشکل تھا، کیوں کہ اس وقت تک قیادت وسیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور مسلمان ترقی کی منزلیں طے کرتے جارہے تھے۔

حالات بدلے؟ وقت کا پہیہ گھوما، مغرب سے سورج طلوع ہوا اور پوری آب وتاب سے نمودار ہوا، لیکن یہ سب ایک دن یا ایک رات میں ہی نہیں ہوگیا اور نہ ہی یورپ کے پاس کوئی الہ دین کا چراغ تھا جس کو رگڑنے سے یہ سب ہوتا چلا گیا اور یورپ نے ترقی کرلی۔

یورپ نے مشرقی ممالک پر تین مرحلوں میں اپنا تسلط قائم کیا؛ پہلا مرحلہ تیرہویں صدی عیسوی سے سترہویں صدی تک، دوسرا مرحلہ سترہویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی تک، جب کہ تیسرا مرحلہ انیسویں صدی سے موجودہ دور تک ہے۔

پہلے مرحلہ میں یورپ نے سب سے پہلے عالم اسلامی سے واقفیت حاصل کی۔ جب کہ دوسرے مرحلہ میں یورپ نے اسلامی ملکوں سے اپنے تعلقات قائم کیے اور اپنے اثر ورسوخ کو کبھی طاقت کے زور پر اور کبھی مکاری وعیاری کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ تیسرے مرحلہ میں باقاعدہ مشرقی ممالک پر اپنا تسلط پوری طرح قائم کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی کوئی بنیاد نہیں تھی جس طرح ہم آج اسے دیکھ رہے ہیں، نہ ہی تاریخی اعتبار سے کوئی وقعت تھی اور نہ ہی اس کا کوئی تاریخی وجود تھا۔ یورپ کا وجود ابھی ہوا ہے، امریکہ میں فرانسیسی سفیر نے ایک برطانوی اخبار The Telegraph (دی ٹیلیگراف) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

''ہم کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم نے تاریخی اعتبار سے بہت دیر کردی اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ہم بنیادی حیثیت نہیں رکھتے، اٹھارہویں صدی کے شروع میں ہمارا ایسا کوئی وجود نہیں تھا۔''

انیسویں صدی کے نصف تک مسلمان ہر میدان میں آگے تھے۔ تہذیبی، اخلاقی، سیاسی، تنظیمی، فوجی، اقتصادی وثقافتی اور نظم ونسق کے اعتبار سے بھی لیکن یہ سب کچھ اس وقت بدل گیا جب یورپ نے مسلمانوں کو جانا اور اس نے مسلمانوں کا تعلیم سے اشتغال دیکھا اور علم کے لیے ان کی فکرمندی اور محنت کو دیکھا، مسلم ممالک میں کتب خانوں میں کتابوں کا ذخیرہ دیکھا، یونیورسٹیوں میں طلباء کی تعداد دیکھی، اکیڈیمیز میں اسکالروں کو محنت سے مطالعہ کرتے دیکھا، اسلامی ممالک میں بلند وبالا عمارتوں کو دیکھا، وہاں سرسبزی وشادابی اور کشادہ سڑکیں دیکھیں۔ یہ سب ترقی دیکھ کر یورپ کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں اور اسی کے ساتھ اس نے وہاں کا تہذیب وتمدن اور مسلمانوں کی سلیقہ شعاری دیکھی، اسلامی شہروں میں امن وامان کو دیکھا، تعلیمی وتربیتی نظام کو سمجھا، اس وقت اس نے اسلامی ملکوں کے ساتھ اپنا میل جول بڑھانا شروع کیا۔ ایک یورپ کا مورخ کہتا ہے:

''عرب ہمارے پہلے استاذ ہیں جن سے ہم نے فلکیاتی علوم سیکھے، علوم طبیعیات کو سیکھا، علم کیمیاء اور علم طب کو حاصل کیا۔''

یورپ نے جو کچھ ذہنی ترقی کی وہ اسی تجارت کا نتیجہ ہے جو مشرق کے ساتھ ہوئی اور اندلس میں علماء سے تبادلہ خیال کرنے سے اسے حاصل ہوئی۔

آج ہم کو جو کچھ یورپ کی ترقی دکھ رہی ہے وہ سب طلیطلہ،

قرطبہ، غرناطہ کے علم کے مراکز کا نتیجہ ہے جس کو یورپ نے دانتوں تلے دبالیا اور یورپ نے حتی المقدور کوشش کی اس کے حصول کے لیے اور ترقی کی منزلیں طے کرنے کے لیے اس نے اختراعات وایجادات سے کام لیا، جب کہ مشرقی ممالک نے علم سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا تھا۔ اس طرح مشرق تاریکی کے اس دور میں پہنچ گیا جہاں کبھی یورپ تھا۔

اسلامی ممالک اگر حیاتِ نو چاہتے ہیں جس کا ذکر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) میں کیا ہے۔ حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:

''اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالم گیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خودمختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈرشپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں، یہ مسئلہ بہت گہرے غور وفکر کا محتاج ہے، اس کے لیے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف وتالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے۔ اس کام کے سربراہ کار عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق وتنقید کے درجہ تک پہنچتی ہو اور اس کے ساتھ اسلام کے سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب ونظر معمور ہو۔ یہ وہ مہم ہے جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لیے مشکل ہوگی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے، اس مقصد کے لیے اس کو منظم جماعتیں اور مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دست گاہ رکھتے ہوں، وہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب وسنت کے محکمات اور دین کے ناقابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجزیہ وتحلیل پر حاوی ہو، وہ مسلمان نوجوانوں کے لیے علوم عصریہ کی ازسرنو تدوین کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد پر ہو، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو نوخیز طبقے کے لیے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کرسکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کرسکے اور مادی ودماغی جنگ میں اس کے مقابلہ میں اس کے اپنی زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے ملک کی دولتوں کو استعمال میں لائے۔ اسلامی ملکوں کی مالیات کی نئی تنظیم کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت اس طرح چلائے کہ طرز حکومت اور مالیاتی امور کی تنظیم میں یورپ پر اسلامی نظام کی برتری صاف ظاہر ہوجائے اور وہ اقتصادی مشکلات حل ہوجائیں جن کے حل کرنے کے معاملہ میں یورپ سپر ڈال چکا ہے اور اپنی بے بسی کا معترف ہے۔

اس روحانی، صنعتی اور فوجی تیاری اور تعلیمی آزادی کے ساتھ عالم اسلامی عروج حاصل کرسکتا ہے، اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اور دنیا کو اس تباہی سے نجات دلاسکتا ہے جو اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ قیادت ہنسی کھیل نہیں، نہایت سنجیدہ معاملہ ہے اور منظم جدوجہد، مکمل تیاری، عظیم الشان قربانی اور سخت جانفشانی کی محتاج ہے۔''

(ترجمانی: محمد امین حسنی ندوی)

قوموں کا زوال کب ہوتا ہے؟

مولانا ابوالکلام آزادؒ

''قومی زندگی کے ایام ممات اور انسانی ارتقائے حیات کا سدباب اس دن سے شروع ہوتا ہے جس دن کاشانۂ دل سے امید کا جنازہ اٹھتا اور مایوسی کا لشکر فنا امنڈتا ہے، جس فرد یا جس قوم کو مصیبتوں اور ناکامیوں کے عالم میں مایوس دیکھو- یقین کرو کہ اس کا آخری دن آ گیا- مصیبتیں تو اس لیے تھیں کہ غفلت کو شکست اور ہمت کو تقویت ہو، لیکن جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، دنیا کے اعمال وتدابیر کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہمارے لیے دنیا میں کچھ نہیں رہا، وہ تو خود اپنے لیے زندگی کے بدلے موت کو پسند کرتے ہیں۔ پھر دنیا کی کامیابی زندگی کو لڑکر لینے والوں کے لیے ہے، مٹ جانے کے متلاشی کے لیے نہیں ہے۔'' (قرآن کا قانونِ عروج وزوال: ۱۲۳)

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کا فائدہ:

تقویٰ کے فوائد میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَیَجْعَل لَّکُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِیمٌ﴾(الحدید: ۲۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو بھاری حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسی روشنی فراہم کرے گا جس میں تم چل سکو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں ایک نور عطا فرمائے گا یعنی ایک روشنی دے گا اور دل روشن ہوگا۔ ظاہر ہے جب دل روشن ہوگا تو خیر وشر کی تمیز پیدا ہوگی، آدمی صحیح کو صحیح اور برے کو برا سمجھے گا۔ جب روشنی نہیں ہوتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اچھے اور برے کا فرق نہیں کر پاتا، لیکن روشنی ہوتی ہے تو اچھے اور برے کا فرق کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے اگر آدمی اندھیرے میں کسی چیز کو دیکھ رہا ہے تو وہ کیا فیصلہ کرے گا؟ گندگی اور غلاظت پڑی ہوگی مگر وہ اس کو دیکھ نہیں سکتا، اسی طرح اچھی سے اچھی رکھی ہوئی چیز کو بھی وہ نہیں دیکھ سکتا ہے، اس کے لیے روشنی چاہیے، اسی لیے تقویٰ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ روشنی عطا فرماتا ہے۔

شان امتیازی' تقویٰ کا ثمرہ:

قرآن مجید کی آیت میں تقویٰ کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں ایک شان امتیازی عطا فرمائیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، یہ ایک بڑی چیز ہے جو ارشاد فرمائی۔ یہ بالکل طبعی بات ہے کہ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ چہرہ کی رونق بھی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ دلوں میں ان کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدّاً﴾(مریم: ۹۶) (یقیناً جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کردے گا)

واقعہ یہ ہے کہ جو ایمان والے لوگ اچھے کام کرتے ہیں، اللہ ان کے لیے دلوں میں محبت ڈال دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت رکھو، تو جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبرئیلؑ تمام آسمان والوں کو پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، اس لیے تم سب بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اس کے بعد روئے زمین پر اس کی مقبولیت عام ہوجاتی ہے۔'' (صحیح البخاری: ۳۲۰۹)

ظاہر ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اچھی زندگی گذارنے والے، احتیاط کی زندگی گذارنے والے، اپنے دلوں کو اللہ سے جوڑنے والے اور اللہ کی خشیت اپنے اندر رکھنے والے ہیں۔

شان امتیازی کے فقدان کا نتیجہ:

ظاہر وباطن میں جب تقویٰ کی ساری صفات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ایک شان امتیازی عطا فرمائیں گے اور یہ وہ شان امتیازی ہے جو جھلکے گی اور ہر جگہ پہچانی جائے گی، آدمی جہاں بھی جائے گا تو پہچانا جائے گا کہ یہ مسلمان ہے، یہ ایمان والا ہے، اس کے اندر تقویٰ ہے اور اس کی زندگی عام لوگوں کی زندگی سے مختلف ہے۔ یہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے ہم مسلمانوں کا کہ ہمارے اندر ایمان نہیں، اسلام کے مظاہر نہیں، عقیدہ کی پختگی نہیں اور اسلامی سماج کی عکاسی نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں اور غیروں میں کوئی فرق نہیں نظر آتا، ہم بھی دھوکہ

دیتے ہیں وہ بھی دھوکہ دیتے ہیں، ہم بھی جھوٹ بولتے ہیں وہ بھی جھوٹ بولتے ہیں، ہم بھی خیانت کرتے ہیں وہ بھی خیانت کرتے ہیں، ہم بھی لوگوں کو ستاتے ہیں وہ بھی لوگوں کو ستاتے ہیں، گویا کہ وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں اور جن کے پاس زندگی کا کوئی دستور نہیں ہے اور وہ لوگ جو مسلمان ہیں اور ان کے پاس زندگی کا پورا دستور ہے' ان کی زندگی میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج وہی زندگی ہماری بھی ہے، اس لیے کہ وہ شان امتیازی جو اللہ ہمیں دینا چاہتا تھا، ہم نے اس کو لینا ہی نہیں چاہا، تقویٰ اور ایمان کی جو زندگی ہونا چاہیے وہ زندگی ہماری نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں اور غیروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شان امتیازی کا مطالبہ:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوْا اللّٰهَ یَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَاناً وَیُكَفِّرْ عَنكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ﴾(الأنفال: ۲۹) (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا لحاظ رکھو گے تو وہ تمہیں ایک امتیاز عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا اور تمہیں بخش دے گا)

اس آیت شریفہ میں تقویٰ کا ایک بہت اہم فائدہ بیان کیا گیا ہے، اس میں ہم کو یہ سبق دیا گیا اور یہ تلقین کی جارہی ہے کہ دیکھو تقویٰ کی زندگی اختیار کرو، جب تقویٰ اختیار کروگے تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تمہیں ایک شان امتیازی عطا فرمائے گا، تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہاری مغفرت فرمادے گا، لیکن یہ شان امتیازی تب ملتی ہے جب تقویٰ کی زندگی ہوتی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے بڑھ کر اس شان امتیازی کے حامل تھے، وہ جہاں اور جس ملک میں گئے تو ان کو دیکھ کر لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے، ان کے اخلاق کو دیکھ کر، ان کی سماجی زندگی کو دیکھ کر اور ان کی معاشرت کو دیکھ کر۔ یہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے جس کو میں اکثر عرض کیا کرتا ہوں کہ صحابہ جس ملک میں گئے اور جس ملک کو انہوں نے فتح کیا، وہاں کے لوگ ان پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اپنی زبان بھی چھوڑ دی اور عربی زبان اختیار کرلی۔ یہ آسان کام نہیں ہے، یہ صحابہ ہی کا نمونہ تھا۔ ان کے بعد اگر آپ نیچے آیئے تو نہ جانے ایسے کتنے واقعات ہیں جن سے شان امتیازی کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بہت عجیب وغریب واقعہ ہے۔ وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر مرادآبادیؒ کی خدمت میں رہتے تھے، وہیں ان کی تربیت ہوئی، جب فارغ ہوکر جانے لگے تو حضرت نے عجیب بات کہی، فرمایا کہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن دیکھو کسی کا کوئی حساب تمہارے ذمہ نہ رہ جائے، اگر کسی کا ایک پیسہ بھی تمہارے ذمہ باقی ہے، تو یہ تمہارے لیے تنزل کی بات ہے، تم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ انہیں خیال آیا کہ کسی سے سالوں پہلے ایک کپڑا خریدا تھا اور اس کے کچھ آنے پیسے باقی رہ گئے تھے، اب ان کو ادا کردینا چاہیے ورنہ یہ جو ذکر واذکار کی محنت کی ہے اور یہاں رہ کر اللہ کا جو قرب حاصل ہوا ہے، اگر کسی دوسرے کا حق ہمارے ذمہ ہے تو ہماری یہ سب محنت وریاضت ختم ہوجائے گی اور ہمیں آگے بڑھنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ حضرت نے یہ بات خاص طور پر اسی لیے فرمائی ہے کہ یہ اسلام کی بنیادوں میں شامل ہے، کہا گیا ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کا حق مارا ہے تو کل قیامت میں وہ حق ہر حال میں ادا کرنا پڑے گا، الا یہ کہ وہ حق دنیا میں معاف کرالیا جائے یا ادا کردیا جائے۔ جب انہیں یہ سب خیال آیا، تو وہ بازار میں تلاش کرنے نکلے کہ فلاں بزاز سے کپڑا خریدا تھا، اس کو ڈھونڈتے ہوئے پہنچے اور جاکر کہا کہ کئی سال پہلے ہم نے تم سے ایک کپڑا خریدا تھا، اس وقت اتنے آنے رہ گئے تھے، میں وہی دینے کے لیے آیا ہوں۔ یہ سن کر بزاز نے عجیب وغریب بات کہی، پہلے تو اس نے سر اٹھایا اور سوچا کہ کوئی چند آنے ادا کرنے اتنے سالوں بعد کیوں آیا ہے، پھر اس نے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھ کر کہا کہ لگتا ہے آپ مسلمانوں کی بستی سے آرہے ہیں؟! آپ غور کیجیے کہ مسلمانوں کے بارے میں اس کا کیا تصور تھا، ایک بزاز جو عام آدمی تھا، اس وقت اکثر یہ کام غیر مسلم ہی کرتے تھے، وہ بزاز مسلمان نہیں تھا، اسی لیے کہا کہ لگتا ہے آپ مسلمانوں کی بستی سے آرہے ہیں۔ پتہ چلا اس وقت یہ شہرت تھی کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں، ظاہر ہے یہی شان امتیازی ہوتی ہے اور ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ مسلمان اس طرح پہچانے جاتے تھے۔

طلاق کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

اسلام میں طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے:

اسلام میں اگرچہ ان مصالح اور حکمتوں کے پیش نظر جن کا ذکر آگے کیا جائے گا' طلاق کی اجازت دی گئی، لیکن اس کو جائز چیزوں میں سب سے زیادہ نا پسندیدہ اور مکروہ عمل قرار دیا گیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله الطلاق."

(أبو داؤد: ۲۱۷، ابن ماجة: ۲۰۲۸)

(اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل طلاق ہے۔)

نیز فرمایا:

"عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة سألت زوجها طلاقا فی غير ما بأس، فحرام عليها رائحة الجنة." (أبو داؤد: ۲۲۲۶، جامع الترمذی: ۱۱۸۷، وابن ماجة وأحمد والدارمی)

(جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق مانگے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔)

اجازت کی حکمت:

لیکن ناپسندیدہ عمل ہونے کے باوجود بہر حال طلاق کی اجازت دی گئی، اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مزاج میں بالکل ہم آہنگی نہیں ہوتی، ان کا نباہ کرنا ناممکن ہوتا ہے، ایسی صورت میں بھی اگر طلاق کی اجازت نہ دی جائے تو دونوں کی زندگی اجیرن ہوجائے گی اور علاحدگی کے لیے وہ کوئی بھی جائز ناجائز حربہ استعمال کر بیٹھیں گے، حتی کہ اگر جان لیے بغیر چھٹکارہ ممکن نہ ہو تو جان لینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے، یہ اتنی فطری اور لاجیکل بات ہے کہ اس پر ہم کو دلائل دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اسی لیے جن مذاہب میں طلاق کا تصور نہیں تھا ان کو بھی اس ضرورت کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور دین فطرت "اسلام" سے طلاق کا تصور لینے پر مجبور ہوئے۔

دوسرے مذاہب میں طلاق:

عیسائی مذہب میں طلاق کی بالکل اجازت نہیں تھی، چنانچہ انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ "جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کیا تو اس نے زنا کیا۔" (۱۰/۱۱-۱۲)

اور انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی آدمی کی مطلقہ سے نکاح کیا اس نے زنا کیا۔ (۱۶/۱۸) (تکملہ فتح الملہم: ۱/۱۳۱)

ایک طرف طلاق پر یہ پابندی تھی، دوسری طرف تعدد ازدواج بھی ممنوع تھا، نتیجہ یہ تھا کہ مزاج میں ہم آہنگی نہ ہو تو دونوں کی زندگی جہنم بنی رہتی تھی، جس سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہ تھا، لہٰذا عیسائی دیر تک اس حکم پر قائم نہیں رہ سکے، پہلے کلیسا نے کچھ اعذار کے پیش آنے پر طلاق کی اجازت دی، پھر یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد طلاق کا اختیار کلیسا سے ہٹا کر عام ملکی عدالتوں کو دے دیا گیا، اعذار کی فہرست طویل تر ہوتی گئی، عورتوں کو بھی طلاق کی اجازت دی گئی، نتیجہ یہ ہے کہ اب یورپ میں شاذ و نادر نکاح ہی اخیر تک قائم رہ پاتے ہیں۔

ہندو مذہب میں طلاق:

ہندو مذہب میں بھی طلاق پر کلی طور پر پابندی تھی، اس کو جنم جنم

کا ساتھ سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ زنا کا ارتکاب کرنے پر بھی طلاق کا کوئی تصور نہیں تھا، ظاہر بات ہے کہ اس حکم کی وجہ سے لوگوں کو سخت تنگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، مجبوراً بعض فرقوں نے ضرورت پڑنے پر اجازت دی کہ خاص اعذار کی بنیاد پر پنڈت نکاح فسخ کرا سکتا ہے، چنانچہ جنوبی ہند میں اکثر ہندو فرقوں میں طلاق کا سلسلہ ہے، لیکن شمالی ہند میں اعلیٰ ذاتیں اب بھی اس کو سخت معیوب سمجھتی ہیں، نباہ نہ ہونے پر دونوں الگ الگ رہتے ہیں، لیکن طلاق کا نام نہیں لیتے، اس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی خواتین شوہر کے زندہ رہنے کے باوجود معلقہ بنی رہتی ہیں، البتہ دلتوں میں کسی ایک شوہر کو چھوڑ کر دوسرے سے شادی کر لینا شمالی ہند میں بھی عام ہے۔

(تکملہ فتح الملہم: ۱/۱۳۲، بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، مادہ DIVORCE، ۷/۴۵۳)

یہودی مذہب میں طلاق:

''یہود کے اصل دین میں طلاق کی کھلی اجازت تھی اور اس کا اختیار صرف شوہر کو تھا، لیکن ان کے نزدیک طلاق صرف تحریراً واقع ہوسکتی تھی نیز طلاق دینے والے شخص کے لیے وہ مطلقہ زوج ثانی سے نکاح وطلاق کے بعد بھی حلال نہ ہوسکتی تھی۔''

(فتح الملہم: ۱/۱۳۰، بحوالہ سفر التثنیہ: ۲۴/۱-۴)

طلاق دین اسلام میں:

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس نے ان مذاہب کے افراط وتفریط سے پاک نہایت عادلانہ نظام مقرر کیا، اس نے طلاق کو حرام نہیں قرار دیا، اجازت دی لیکن بے لگام اجازت نہیں دی اور ایسی ہدایات دیں جن پر عمل کر لیا جائے تو شاذ ونادر ہی اس کی نوبت آئے گی، چنانچہ مندرجہ ذیل احکام ملاحظہ ہوں:

۱-نکاح سے پہلے جس سے نکاح کرنا ہے اس کو دیکھنے کی اجازت دی گئی تاکہ بعد میں صورت، شکل کی وجہ سے طلاق کی نوبت نہ آئے، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک خاتون کو پیغام بھیجنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟'' میں نے کہا: نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو تم اس کو دیکھ لو، اس لیے کہ یہ چیز تم دونوں کے درمیان اتفاق قائم کرنے میں مددگار ہوگی۔''

(ترمذی: ۱۰۸۷، نسائی: ۳۲۳۵، ابن ماجہ: ۱۸۶۶)

۲-عورت سے اجازت لیے بغیر نکاح کرنے سے منع کیا گیا اور ولی کو اس کے بارے میں ہدایات دے دی گئیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ثیبہ کا نکاح اس کی صریح اجازت کے بغیر نہ کرایا جائے اور کنواری کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہ کرایا جائے۔'' صحابہؓ نے دریافت کیا کہ کنواری کی اجازت کی کیفیت کیا ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا سکوت کرنا۔ (اس کی اجازت سمجھی جائے گی) یہ فرق اس لیے کیا گیا کہ کنواری میں حیا زیادہ ہوتی ہے، اس کے لیے صراحت سے اجازت دینا مشکل ہوگا، جب کہ انکار کرنے میں شرم کی کوئی بات نہیں ہوتی ہے۔

(بخاری: ۵۱۳۶، ۶۹۶۸، مسلم: ۱۴۱۹)

۳-شوہر کو تاکید کی گئی کہ اگر بیوی سے کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس کی خوبیوں کا تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی خلقت اور مزاج میں فرق کر رکھا ہے، اس لیے کچھ باتیں عجیب لگ سکتی ہیں، لیکن ان کو نظر انداز کرنا چاہیے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۱۹)

(اور ان کے ساتھ اچھی گزر بسر رکھو اور اگر تم ان کو پسند نہیں بھی کرتے تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اس میں اللہ نے بہت کچھ بہتری رکھی ہو)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''کوئی مومن مرد کسی مومن عورت یعنی بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی ایک بات ناپسند ہوگی تو دوسری عادت سے راضی ہوجائے گا۔''

(مسلم: ۱۴۶۹)

۴- پھر اگر کوئی بات شوہر کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگے تو بھی مرد کو ہدایت کی گئی کہ اس کی اصلاح کے مختلف طریقے ترتیب وار اختیار کرے، فوراً طلاق نہ دے، ممکن ہے کہ اس کی اصلاح ہوجائے تو طلاق کی نوبت ہی نہ آئے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾

(النساء: ٣٤)

(اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور ان کے بستر الگ کردو اور ان کو تنبیہ کرو پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کسی راستے کی تلاش میں مت پڑو)

آیتِ کریمہ میں ترتیب وار تین مراحل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) نصیحت یعنی نرمی سے سمجھانا۔

(۲) سمجھانے سے باز نہ آنے کی صورت میں بستر علاحدہ کرنا۔

(۳) پھر بھی باز نہ آئے تو ہلکی ضرب کے ذریعہ تنبیہ کرنا۔

۵- اس سے بھی اختلافات ختم نہ ہوں تو ہدایت دی گئی کہ طرفین اپنے رشتہ داروں کو درمیان میں لاکر اصلاح کی کوشش کریں، ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا﴾

(النساء: ٣٥)

(اور اگر تمہیں ان دونوں کے آپس کے توڑ کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے کھڑا کرو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں جوڑ پیدا فرمادیں گے)

۶- اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی بالکل نہیں ہے، لہٰذا اب اگرچہ طلاق ناپسندیدہ چیز ہے لیکن اس کی ضرورت ہے، لہٰذا دونوں اپنے راستے الگ کرلیں لیکن حکم دیا گیا کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے، صرف طہر میں دی جائے، طہر بھی ایسا ہو جس میں تعلق قائم نہ کیا گیا ہو نیز ایک طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے، تاکہ بعد کے لیے گنجائش باقی رہے۔

غور کریں کہ ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیا طلاق کے بعد پچھتاوے کی کوئی شکل ہوسکتی ہے؟! اسی لیے طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا گیا، اس لیے کہ عورت میں جذباتیت زیادہ ہوتی ہے، اس کو اجازت دینے میں بلاوجہ طلاق کا خطرہ ہوگا جیسا کہ یورپ میں عملاً ہو بھی رہا ہے، البتہ ناگزیر حالات میں عورت کو بھی ''خلع'' لینے اور کسی تکلیف کی صورت میں دارالقضاء کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کی اجازت دی گئی تاکہ تنگی ہونے پر وہ بھی تفریق کرالے۔

یہ احکام اتنے عادلانہ ہیں کہ عمل کیا جائے تو مسائل پیدا ہی نہ ہوں، جتنے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

کامیابی کا واحد راستہ

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

''ہمارے اوپر یہ لازم اور ضروری ہے کہ ہماری زندگی میں اللہ کی بندگی اور وفاداری کا عنصر غالب ہو، وہ بداعمالیاں اور بداخلاقیاں ہمارے معاشرے میں کم از کم غالب نہ ہوں جن کے ہوتے ہوئے کوئی قوم اللہ کی نصرت و مدد کی مستحق نہیں ہوسکتی، پھر جس طرح ہم اپنی انفرادی اور ذاتی مصیبتوں اور پریشانیوں میں اللہ کو کارساز جانتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تڑپ اور الحاح کے ساتھ قومی و ملی مشکلات کے حل کے لیے اس سے مدد مانگیں اور دعائیں کریں۔ یہی طریقہ ہے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اور اہل ایمان کے لیے صرف یہی راستہ ہے فلاح و کامیابی کا۔''

(الفرقان، جلد:۳۱، شمارہ:۲-۳، جولائی و اگست:۱۹۶۳ء)

طاقت وقوت کے کرشمے

عبدالسبحان ناخداندوی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمُ

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾(الأنفال: ٦٠)

(اورتم ان کے خلاف یعنی ان سے مقابلہ کے لیے جس قدر طاقت ممکن ہو تیار رکھواور تیارشدہ (چوکس) گھوڑے (بھی) کہ اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں پر اپنا دبدبہ بنائے رکھواور اپنے دشمنوں پر)

قرآن مجید کا یہ صریح حکم ہے کہ مسلمان قوم جنگی تیاری سے کبھی غافل نہ ہو، ممکن حدتک اپنی تمام توانائیاں اس میں لگادے، سائنس وٹیکنالوجی کے میدان آج بھی امت مسلمہ کے انتظار میں ہیں، اس میدان کو فتح کرنا من حیث القوم ہم پر واجب ہے، تاکہ اللہ کے صحیح بندوں کے ہاتھوں میں نظام عالم کی باگ ڈور ہو، جب تک یہ نہیں ہوگا عالم کی بدقسمتی میں اضافہ ہی ہوگا اور مسلمان من حیث الامہ اللہ کے یہاں مسئول ہوں گے۔

مِن قُوَّةٍ؛ جنگ میں جو بھی چیز تقویت کا باعث بنے وہ سب 'قوت' کے دائرے میں شامل ہے۔ اللہ نے آیت میں وہ لفظ ارشاد فرمایا جو ہرطرح کے جنگی سازوسامان پر پورا اترے، یہ قرآن کا اعجاز ہے۔ میزائل، راکٹ، ٹینک، توپ، جنگی طیارے، دفاعی پورا سسٹم، زمینی فوج، بحریہ، فضائیہ، زمین سے زمین پر مارگرانے والے میزائل، میزائل بردار جہاز، توپ شکن، ٹینک شکن میزائل! غرض جو آلات وہتھیار، جنگی علوم وفنون اور اسٹراٹیجک پالیسیاں ممکن ہوں اختیار کی جائیں۔

آج سے چودہ سوسال پہلے نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ وصیت کی تھی اور اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے کی تھی کہ

" ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي"

(سنو! طاقت دورتک پھینکنے کا نام ہے، سنو! طاقت تو پوری قوت سے پھینکنے کا نام ہے، سنو! طاقت تو بس تیراندازی کا نام ہے)

کس قدر بلیغ جملہ ہے اور 'مِن قُوَّةٍ' کی کیسی جامع ترین تشریح ہے!

''رمی'' کا مطلب تیر چلانا ہے۔ خالص جنگی لحاظ سے وہ فوج طاقتور کہلاتی ہے جس کی زد میں دوسری فوج ہو اور وہ خود اس کی پہنچ سے باہر ہو، آپ کی مار جہاں تک ہوگی وہ پورا حصہ آپ کا اپنا کہلائے گا، بھلے وہ آپ کے ماتحت فی الوقت نہ ہو، آپ ﷺ اس راز سے خوب واقف تھے، اس لیے اپنی امت کو جنگی لحاظ سے جس چیز کی سب سے زیادہ تاکید فرمائی وہ یہی تیراندازی ہے۔

آج دنیا میں جس حکومت کا بول بالا ہے وہ آخر اسی تیراندازی ہی کی بنا پر تو ہے، جس کے پاس جتنی دورتک مارگرانے والے میزائل ہیں وہ اتنا ہی طاقتور تصور کیا جاتا ہے اور جو ملک اس ٹیکنالوجی سے محروم ہے یا ابتدائی مرحلہ میں ہے وہ اتنا ہی قابل رحم' لاچار اور بڑی طاقتوں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ صدیوں پہلے کی ہوئی غلطیوں کا خمیازہ آج ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جو قومیں اپنے دور عروج میں حقیقت فراموش بن جاتی ہیں ان کا زوال بڑا بھیانک ہوتا ہے اور ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ عالم کی قسمت ہم سے وابستہ ہے، اس وقت عالم میں قیادت کے حوالے سے جتنے جھول نظر آرہے ہیں وہ صرف اور صرف امت مسلمہ کے قیادت سے ہٹ جانے کی بنا پر ہیں اور دنیا میں جتنے فتنے نظر آرہے ہیں ان کے پیچھے وہی رعب ودبدبہ نظر آرہا ہے جو ان فتنوں کی پشت پناہی کررہا ہے۔ صحافت ہو، میڈیا ہو، یا ذرائع ابلاغ کے اور ذرائع' یہ سب طاقت کی پشت پناہی کی وجہ سے فضا کو مسموم کیے جارہے ہیں۔ جہاں فوجی وجنگی طاقت کھڑی ہوتی ہے وہاں قلم جھکتے ہیں، ذہن سپر ڈالتے ہیں، آواز پست ہوتی ہے،

صحافت دبتی ہے، ذرائع ابلاغ جبین نیاز خم کرتے ہیں، لاکھ صحافت کی آزادی کا دعویٰ کیا جائے لیکن ہیں سب طاقت وقوت کے غلام ہی۔ اسی طاقت کی بخشی ہوئی آزادی یا غلامی کے دائرے میں سب آزادی کی بانسری بجاتے ہیں اور جہاں ایک کراری آواز اٹھتی ہے وہیں سب کے سب بک جاتے ہیں، پھر چند نفوس کو چھوڑ کر کوئی باطل کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا، پالیسیاں طاقت طے کرتی ہے، نظام وہ چلاتی ہے، احکامات وہ صادر کرتی ہے، باقی پوری دنیا یا تو ان پالیسیوں کی نوک پلک سنوارنے میں رہتی ہے یا کوئی جزوی ترمیم کے لیے صدا لگاتی ہے، پھر اصل طاقت اپنے مفاد میں کچھ ترمیم کر لیتی ہے، اسی کو ہر ایک اپنی فتح تصور کرتا ہے۔

واقعی غور کرنے کی چیز ہے، اس وقت عالمی طاقت نے جسے دہشت گرد قرار دیا' دنیا نے آنکھ بند کر کے اسے تسلیم کر لیا، اپنے لیے جب چاہے جسے چاہے جہاں چاہے ظلم وستم کو جائز ٹھہرایا تو آج کوئی اس کے خلاف بولنے کی جرأت نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اسے بھی اپنے اپنے دائرے میں اس ظلم کی اجازت دی جائے، گویا بڑی طاقت کو معیار تسلیم کیا گیا، امریکہ نے یہ کیا کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جہاں چاہے جس پر چاہے حملہ کر سکتا ہے تو اس مکروہ دھاندلی اور فضول دلیل کا مقابلہ کرنے والا کوئی ملک نہیں، الٹے بعض ممالک نے یہ چاہا کہ ان کو بھی وہی اختیار ملنا چاہیے اور اسی کو انہوں نے انصاف قرار دیا یعنی انصاف کی حد یہ ہے کہ کوئی اگر کھلم کھلا ظلم، بددیانتی، بربریت اور وحشت کا ننگا ناچ ناچ رہا ہو تو اسے غلط قرار نہ دیا جائے بلکہ ہمیں بھی ناچنے کی اجازت دی جائے۔

یہ سارا کمال طاقت اور قوت کا ہے، اس سے مقابلہ کرنے کے لیے ایمانی قوت اور اسلامی حمیت کے ساتھ ساتھ اس قوت کا حصول واجب بلکہ فرض عین بن جاتا ہے جس کے نتیجہ میں باطل اگر اپنی بکواس سمیت اٹھے تو حق میں یہ ظاہری صلاحیت ہو کہ وہ ایک ہی وار میں اسے کوڑے خانے کی نذر کر دے۔ حضرت عمرؓ کا وہ حکیمانہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا:

"فإنه لاينفع تكلم بحق لا نفاذ له"

(اس حق کو بولنے کا فائدہ ہی کیا جسے نافذ نہ کیا جا سکے)

آج بھی ماشاءاللہ امت مسلمہ میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو حق بولتی ہے اور افضل جہاد کے مقدس عمل کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ شاید ان ہی نفوس کی بنا پر پوری امت کو جینے کا حق بھی مل رہا ہو لیکن یہ ہرگز کافی نہیں، ہر فرد اپنی یہ ذمہ داری تصور کرے کہ اسے قوت اور طاقت کے میدان میں فائق رہنا ہے اور تیاری کی آخری حد جو ہو سکتی ہے اس پر کھرا اترنا ہے، پھر سچا انقلاب آتے دیر بھی نہیں لگے گی۔

طاقت جب غلط ہاتھوں میں پہنچتی ہے تو پھر ہر شعبہ میں اس کی بدبو پہنچتی ہے، بالخصوص عالمی طاقت اگر ظالموں کے ہاتھ میں آجائے تو پھر ہر ملک سے عدل وانصاف اٹھنا لازم ہے اور فی الوقت دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کے پاس عالمی طاقت کا ہونا تین بنا پر ضروری ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ہی ایک عالمی پیغام رکھتے ہیں، جس کے تحت ہر فرد بشر اطمینان اور عزت وآبرو کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تنہا وہی قوم دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ بھی کر سکتی ہے، ان کے علاوہ بقیہ تمام اقوام ظلم کو دلیل بنا کر مزید ظلم ڈھانے کے راستے فراہم کرتی ہیں۔ تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ پیغام الٰہی کی حامل ہونے کی بنا پر تنہا وہی اس کا حق رکھتی ہے کہ طاقت کا مرکز اس کے ہاتھ میں رہے۔ ارشاد نبوت ہے:

"ومن ترك الرمي بعد ماعلمه رغبة عنه فإنه نعمة تركها"

(جس نے سیکھنے کے بعد بے رغبتی اور عدم دلچسپی کی بنا پر تیر اندازی چھوڑ دی اس نے ایک اہم ترین نعمت کو فراموش کر دیا)

واقعہ یہ ہے کہ ہم من حیث الامت اس کفران نعمت کے مرتکب ہوئے، جس وقت اور قومیں ترقی کی راہ پر گامزن تھیں اس وقت ہم اپنی سابقہ حالت پر نازاں وفرحاں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے، مسلسل تین صدیوں تک ہم سوتے ہی رہے، جب اٹھے تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور یہ عظیم امانت یعنی قوت وطاقت خائنین کے ہاتھ

میں پہنچ چکی تھی، پھر انہوں نے جو گندے اور مکروہ کھیل کھیلے یہ دنیا جانتی ہے، اسلامی خلافت کے ٹکڑے ہوئے، فلسطین کی زمین لوٹی گئی، نوچی گئی، کھرچی گئی، مسجد اقصیٰ غیروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر جہاں کہیں مصائب ٹوٹ رہے ہیں اس کا قریبی سبب برطانیہ کی خباثتیں اور امریکہ کی غلاظتیں ہیں، اس کے ساتھ اسرائیل کی نجاستوں کو بھی شامل کرلیں، ان سے جو سڑاند اٹھ رہی ہے اس سے ہر پاک وصاف مسلمان کا جینا دوبھر ہو رہا ہے۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو جنگی تیاری کا حکم دیا گیا، لیکن اس تیاری کا مقصد ظلم نہیں، خیانت نہیں، قتل وغارت گری نہیں، معصوموں کی پامالی نہیں، ایٹم بم کی بارش نہیں، ملکوں کو ہڑپنا نہیں، مقدسات کی بے حرمتی نہیں، یہ سارے کام گندوں کے ہوتے ہیں، صاف ستھروں کے نہیں۔ تیاری کا مقصد اللہ کے دشمنوں پر رعب ودبدبہ قائم رکھنا اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھانا تاکہ پھر کسی دشمن خدا یا دشمن انسانیت کو ظلم وجبر کی ہمت نہ پڑ سکے۔ ہر ظالم ظلم کرنے سے پہلے ہزار دفعہ سوچے کہ اس کے نتیجہ میں کون سے بدترین نتائج مجھے دیکھنے پڑیں گے۔ یہ ہے اسلام کا مقدس نظام جہاد اور نظام دفاع!

مٹھی بھر عربوں کی فوز وفلاح کا راز

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

''یورپ آج دنگ ہے کہ مٹھی بھر عربوں نے بغیر کسی اعلیٰ ساز وسامان حرب کے، بغیر اعلیٰ آلات جنگ کے، بغیر اعلیٰ قواعد دانی کے، دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بڑی پرقوت سلطنتوں اور پرشوکت حکومتوں کو کس طرح شکست دے دی؟! یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ دوسری سپاہ آج تک ان اسلحے سے مسلح ہوکر میدان جنگ میں آئی ہے؟ اللہ کا نام لیتے ہوئے، اللہ کو زبان سے پکارتے ہوئے، اللہ کی یاد کو دلوں میں چھپائے ہوئے، اللہ کے دین کی خاطر، اللہ کے حکم کی تعمیل میں اور کس نے تلواریں چمکائی ہیں؟ کس نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر پیش کی ہیں؟ کس نے اپنی گردنیں کٹائی ہیں؟ انگریز جب لڑے گا تو زیادہ سے زیادہ انگلستان کی خاطر، جرمن جب اٹھے گا تو بہت سے بہت ''فادر لینڈ'' اپنے وطن کے لیے، ہندو انتہائی عالی خیالی وحوصلہ مندی کے جوش میں بھر کر بڑھے گا تو مادر ہند کی خاطر، آریہ ورت کی خاطر، اپنے دیش اور جنم بھومی کی خاطر، لیکن مسلمانوں کو کیا حکم ملتا ہے؟ مٹی کے گھروندوں کے لیے نہیں، زمینی حدود کے لیے نہیں، دریاؤں اور پہاڑوں کے لیے نہیں، ندیوں اور پہاڑیوں کے لیے نہیں، کھیتوں اور باغوں کے لیے نہیں، تجارت کی منڈیوں اور غلہ کے بازاروں کے لیے نہیں، بلکہ اس کے لیے اور صرف اس کے لیے جو زمین وآسمان، آفتاب وماہتاب، یورپ وایشیا، امریکہ وافریقہ سب کا خالق ہے، جو تمام مقصدوں کا منتہیٰ ہے اور جس کے آگے نہ کوئی مقصد خیال میں آسکتا ہے نہ کوئی مطمح نظر!

گویا مقصود بالذات جنگ وقتال نہیں، مقصود تو وہی فوز وفلاح دینی ودنیوی ہے، جہاد وقتال اپنے شرائط کے ساتھ اس مقصود کا ایک ذریعہ ہے، لڑو اور جانیں دو، لیکن یاد الٰہی سے اس وقت بھی غفلت ہونا کیا معنی اور اس کی کثرت کا حکم ہے۔ کیا جن کے دل اللہ کی یاد سے، اللہ کے خوف سے معمور رہیں گے، ان سے بھی دنیا کے عام لشکروں کی طرح لوٹ مار اور طرح طرح کے جرائم کا اندیشہ ہوسکتا ہے؟ پھر جب کثرتِ ذکر الٰہی سے عین معرکہ جنگ کے وقت غفلت روا نہیں تو ہم لوگ جو پڑھنے لکھنے، ملازمت وتجارت وغیرہ کے معمولی بہانوں سے نماز وغیرہ سے جی چرانے لگتے ہیں، یہ کسی طرح اور کسی حد تک بھی روا ہوسکتی ہے؟!'' (سچی باتیں: ۹۳-۹۴)

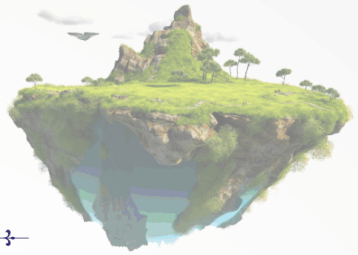

حقیقی خوشی

محمد امین حسنی ندوی

انسان اس دنیا میں رہتا ہے اور دنیا کے حصول کے لیے ساری تگ ودو کرتا ہے، اس کے لیے نہ دن دیکھتا ہے اور نہ ہی رات، ذہنی سکون اور جسمانی راحت کے لیے وہ مارا مارا پھرتا ہے، کڑوی کسیلی باتیں سنتا ہے، پھر بھی حقیقی خوشی، دلی سکون اور اطمینان قلب اس کو نصیب نہیں ہو پاتا، کیوں کہ وہ حقیقی خوشی ان چیزوں میں حاصل کرنا چاہتا ہے جو فانی اور زوال پذیر ہیں، قرآن مجید میں صاف فرمایا گیا:

﴿وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾(آل عمران:۱۸۵)

(جان لو! دنیاوی زندگی صرف ایک دھوکہ ہے)

قرآن مجید نے جس بلیغ انداز میں اس دنیا کا تعارف کرایا ہے، اس سے زیادہ بلیغ تعریف نہیں ہوسکتی، انسان دکھاوے کی زندگی کے لیے آخرت کی اصل زندگی کو بھلا بیٹھتا ہے۔

حقیقی خوشی کیا ہے؟ کیسے وہ حاصل کی جاسکتی ہے؟ قرآن مجید نے اس کو بھی بیان کردیا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾(النحل: ۹۷)

(جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت وہ ایمان پر ہے تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی بسر کروائیں گے اور ہم ان کو جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہتر صلہ دیں گے)

علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ یہ وعدہ دنیاوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ہے، ان کی زندگی میں ان کو آزمایا تو جائے گا لیکن ان کی اس آزمائش پر ان کے لیے جو نعمتیں اور جو ذہنی سکون اور اطمینان قلب ان کو اللہ کی طرف سے ملے گا، وہ ہر نعمت سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

موجودہ دنیا جہاں ایک طرف ترقی کے عروج پر جارہی ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی میں آسمانوں پر کمندیں ڈال رہی ہے، انسانوں نے چاند پر قدم رکھ دیے ہیں، پوری دنیا ایک گھر کی طرح ہوگئی، سیکنڈوں میں بات ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے لیکن دوسری طرف انسانی زندگی سے سکون، خوشیاں، راحت اور اطمینان رخصت ہوتا جارہا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ اس خوشی کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقے یا جو راستے اختیار کیے جارہے ہیں اس سے سکون اور راحت واطمینان کے بجائے بے اطمینانی اور بے سکونی بڑھ رہی ہے، کیوں کہ انسان نے اس ذات سے بغاوت کی جس نے اس کو پیدا کیا اور وہی انسان کی نفسیات سے واقف ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''انسان کے لیے اصل سعادت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔''

یہ سعادت اس طور پر حاصل کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اعضاءِ انسانی بنائے ہیں، ان کا اسی طرح استعمال کیا جائے جیسا کے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ انسان کوئی مشین بناتا ہے اور اس کے استعمال کا جو طریقہ متعین کرتا ہے، اگر اس طریقہ سے ہٹ کر کوئی اس کا استعمال کرے تو مشین خراب ہوجاتی ہے، بالکل یہی معاملہ انسان کا بھی ہے، یہ انسان بھی ایک مشین ہے اور اس کے پرزے اس کے اعضاء ہیں؛ آنکھ، کان، دل، دماغ، ہاتھ، پیر، زبان اور دوسرے اعضاء اور اس کے استعمال کا طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے، آنکھ کوئی بری چیز نہ دیکھے، بے حیائی کے کاموں پر اس کی نظر نہ پڑے، کان حرام اور مشتبہ چیزیں یا گانے اور لغو باتیں نہ سنے، دل اور دماغ میں غلط خیالات نہ آئیں، دل میں پاکیزہ جذبات ہوں، کینہ کپٹ، بغض، نفرت، حسد، جلن، اس طرح کے جذبات نہ ہوں، زبان سے کوئی بری بات نہ نکلے، کسی کی دل آزاری نہ ہو، کسی کے ساتھ زیادتی

نہ ہو، اسی طرح مسلمانوں کے تعلق سے دلوں میں پاکیزہ احساسات ہوں، ہاتھ اور پیر کا غلط استعمال نہ کیا جائے، حرام مال اور مشتبہ چیزوں سے اس کی پوری زندگی پاک وصاف رہے۔

اسلام نے انسانی زندگی کے لیے کچھ حدود اور قوانین طے کردیے ہیں اور حکم دیا ہے کہ ان حدود کے مطابق اپنی زندگی گذاری جائے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾(الجاثیۃ: ۱۸)

(پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک صاف راستہ پر رکھا ہے، بس آپ اسی پر چلئے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے مت ہوجایئے جو جانتے ہی نہیں)

انسان اگر سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو بنیادی چیز اپنے رب کی مکمل اطاعت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا تعلق ہے، آپ کے احکامات پر سچے جذبہ سے عمل کرنا ہے، جن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان سے سچے جذبے کے ساتھ رکنا ہے، انسان کا دل اپنے معبود حقیقی کی محبت سے سرشار ہو:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾(البقرۃ: ۱۶۵)

(جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرنے والے ہیں)

اللہ کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ دل کو غیر اللہ کی محبت سے پاک رکھا جائے اور اپنی خواہشات اور نفسانی اغراض ومقاصد سے بالکل دور رکھا جائے۔

سعادت اور خوش بختی کا حصول کیسے ہو؟ اس کے لیے بنیادی طریقہ ذکر الٰہی ہے، ذکر الٰہی دلوں سے قساوت کو باہر کرتا ہے، راحت اور اطمینان عطا کرتا ہے، قرآن مجید میں صاف طور پر آیا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(الرعد: ۲۸)

(جو ایمان لاتے ہیں اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن رہتے ہیں سن لو اللہ کے ذکر سے ہی طمانینت حاصل ہوتی ہے)

امام ابن قیم الجوزی رحمہ اللہ نے ذکر الٰہی کے متعدد فوائد ذکر کیے ہیں، ان میں ذکر الٰہی کا سب سے بڑا فائدہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے، شیطان سے اپنی حفاظت ہے، یہ ذکر الٰہی ہر طرح کی پریشانی، مصیبتوں، دکھ اور درد کا مداوا بن جاتا ہے، خوشی اور سکون حاصل ہوتا ہے، اسی کے ساتھ بدنی قوت بھی ملتی ہے، چہرے پر نور آتا ہے، ایمان ویقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت ملتی ہے اور اس کے لیے یہی محبت پھر انسانوں میں منتقل کردی جاتی ہے۔

قناعت انسانی زندگی کی بیش قیمت دولت ہے، جس کو یہ دولت حاصل ہوجاتی ہے وہ اپنی زندگی میں مسرور رہتا ہے، یہی قناعت اس کو ہر طرح کی زیادتی سے، ہر طرح کی برائی سے بچاتی ہے، انسان اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی ہوتا ہے، اس نے جو رزق دیا اس پر مطمئن ہوتا ہے، اگر وہ دنیاوی نعمتوں میں اپنے سے اوپر کسی کو دیکھے گا تو اسے ذہنی اذیت ہوگی اور ہر وقت اس کے تعلق سے بدگمانی ہوگی اور اگر وہ اپنے سے کم کو دیکھے گا تو شکر کے جذبات پیدا ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کن کن نعمتوں سے نوازا ہے، کوئی خوبصورت ہے، کسی کے پاس مال ودولت ہے، کسی کو عزت اور شہرت حاصل ہے، انسان اگر اسے دیکھے گا تو افسوس ہوگا اور اللہ کی جو دوسری نعمتیں اسے حاصل ہیں ان کی طرف اس کی نظر نہیں جائے گی اور وہ یا تو احساس کمتری کا شکار ہوگا یا اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرے گا۔

انسان اگر یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی زندگی نہایت پرسکون گذرے اور راحت وآرام سے اس کی زندگی بسر ہو تو ان چیزوں کو اختیار کرنا ہوگا جو اس کی راحت کا سبب بنیں اور اس میں سب سے بنیادی چیز تقدیر الٰہی پر راضی برضا ہو، اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

”عجبا لأمر المؤمن إن أمره كله خير وليس ذاك لأحد إلا للمؤمن، إن أصابته سراء شكر فكان خيرا له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيرا له.“(صحيح مسلم)

(مومن کی عجب شان ہے، اس کے ہر معاملہ میں خیر ہی خیر

ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت وآرام پہنچتا ہے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو دکھ اور رنج کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر کرنا اس کے حق میں خیر کا سبب بن جاتا ہے۔)

دوسری چیز انسان ظاہری طور پر جب کسی سے ملے تو دل کی صفائی کے ساتھ ملے، اس کے چہرہ پر مسکراہٹ ہو، اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا صدقہ کا ثواب دیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

"تبسمك فی وجه أخيك صدقة."

(اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے۔)

یہ مسکراہٹ ذہنی سکون دے گی اور دوسروں کے نزدیک محبوب بنائے گی اور بڑی نیکی ہے کہ کسی کی خوشی کا سبب بنیں۔

سلام کی اہمیت کا انکار کسی بھی مسلمان کو نہیں ہوسکتا، سلام رنگ ونسل کے فرق کو مٹادیتا ہے، طبقاتی نظام کو ختم کرتا ہے، آپس میں محبت پیدا کرتا ہے، ایک دوسرے کو احترام سکھاتا ہے، سلام ایک دعا ہے جو ہر سلام کرنے والا دوسرے کو دیتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم." (رواه مسلم)

(جنت میں تم داخل نہیں ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور ایمان اس وقت تک نہیں لاسکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے سے محبت پیدا ہوگی؟ آپس میں سلام کو عام کرو)

یہ سلام ایک دعوت ہے اور یہی سلام آپسی نفرت کو، عداوت کو، ناچاقی کو ختم کرتا ہے، دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے اور دینی ودنیوی ترقیات سے نوازتا ہے۔

نفلی اعمال کو کتنا حقیر سمجھا جاتا ہے اور اس میں کس قدر کوتاہی ہوتی ہے، جب کہ نفلی اعمال بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتے ہیں، ایسے کام جن سے قرب الٰہی نصیب ہو ان کا اہتمام ہونا چاہیے، جو غریب اور پریشان حال ہیں ان سے ہمدردی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جو مجبور اور لاچار ہیں ان کے کام آنا، اسی طرح قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اہل علم اور اہل ذکر کی مجلسوں میں شرکت کرنا، قرآن کریم کی تلاوت، درود شریف کا اہتمام، استغفار کی کثرت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا، گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، خاص کر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، بیوی کے ساتھ اچھا معاملہ رکھنا، نرمی سے بات کرنا، لہجہ میں درشتی اسلام میں منع ہے۔

یہ چند اعمال ہیں جو انسان کی زندگی کو حقیقی خوشی دیتے ہیں اور انہی چیزوں کو اختیار کرکے ہم اپنی زندگی کو بامعنی بناسکتے ہیں، ورنہ ہماری زندگی لایعنی اور فضول کاموں میں گذر جائے اور سعادت سے محرومی ملے گی۔

کردار کی ضرورت

مولانا سید محمد الحسنیؒ

"بلاشبہ آج ہماری قوم کو کردار کی ضرورت ہے، لیکن یہ صرف مرض کی اچھی تشخیص ہے اور سراہنے کے قابل ہے، لیکن اس کا علاج صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب تعلیم وتربیت اور نشر واشاعت اور عوامی رابطے کے تمام وسائل اس بات پر مرکوز کردیے جائیں کہ ہمیں اپنی قوم کے اندر خدا کا خوف، ذمہ داری کا احساس، خدا کی عدالت میں جواب دہی کا یقین اور سچائی، امانت داری کا وہ جذبہ پیدا کرنا ہے جو اندھیرے، اجالے اور خلوت وجلوت، کسی موقع پر بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑے۔" (جادۂ فکر وعمل: ۴۲)

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں

محمد ارمغان بدایونی ندوی

تاریخ عالم میں قوموں کا عروج وزوال کوئی نئی بات نہیں ہے، تاریخ انسانی میں ایسی متعدد قومیں پیدا ہوتی رہی ہیں جن کی طاقت وقوت کا لوہا پوری دنیا نے تسلیم کیا اور ان میں سے بعض کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی موجود ہے۔ دنیا کے منظر نامہ میں عروج پانے والی قوموں کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو ان میں سے بعض کو سیاسی شعور حاصل تھا اور حکومت وانتظام چلانے کے طریقوں میں انہیں مہارت تھی، بعض کو تمدن وثقافت کی دولت ملی ہوئی تھی اور بعض قومیں اپنی تلوار کے زور پر حاوی تھیں۔ لیکن ان میں سے کسی بھی قوم کے پاس وہ سرمدی پیغام نہ تھا جو ہمیشہ کے لیے ان کی بقا کا ضامن ہو اور عالمگیر سطح پر ان کی قوت وسطوت منوانے کے لیے کافی ہو۔ اسی لیے یکے بعد دیگرے ہر تہذیب وتمدن اور ہر قوم کا ستارۂ اقبال غروب ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس کا نام ونشان تک نہ رہا، ارشاد ہے:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزاً﴾ (اوران سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کردیا، کیا کسی کی آہٹ آپ محسوس کرتے ہیں یا ان میں کسی کی بھنک آپ سنتے ہیں)

بلاشبہ اقوام عالم کے درمیان امت مسلمہ بھی ایک قوم ہے جو اپنا خاص وزن اور مقام رکھتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی عروج کی انتہائی بلندیاں عطا کیں اور انہوں نے پوری دنیا کو علم وفضل سے مالا مال کیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جو بھی بہار اور ترقی ہے وہ سب مسلمانوں ہی کی مرہون منت ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ وہ دنیا کی دیگر قوموں کی طرح نہتے نہیں ہیں بلکہ وہ ایک خود کفیل قوم ہیں۔ ان کے پاس ایسے جاوداں اصول ہیں جو انہیں لازوال تہذیب عطا کرتے ہیں اور بے مثال تمدن سے ہم کنار کرتے ہیں، نہ وہ تعلیم میں دنیا کی کسی قوم کے محتاج ہیں اور نہ تہذیب وثقافت میں انہیں کسی کی حاشیہ برداری کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر ان کے پاس قرآن حکیم کی وہ دولت موجود ہے جو انہیں خلود ودوام بخشتی ہے اور اقوام عالم کے درمیان ہمیشہ ان کا قد بلند کرتی ہے۔ یہی وہ کتاب مقدس ہے جو مسلمانوں کو عروج کی منزلوں تک پہنچاتی ہے اور اسباب زوال سے باخبر کرتی ہے، یہی وہ خزینہ ہے جس سے دنیا کی دوسری قومیں تہی دامن ہیں، اسی لیے کسی نہ کسی موڑ پر آکر ان قوموں نے اپنا دم توڑ دیا اور وہ حوادث زمانہ کی تاب نہ لاسکیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے روز اول سے خطرات ومصائب کا مقابلہ کیا اور سخت سے سخت چیلنجز کو قبول کیا، مگر اسلام کا سدا بہار درخت ہمیشہ ہرا بھرا رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دین کو ہمیشہ باقی رہنا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس دین کی فطرت میں مٹنا نہیں بلکہ مٹانا ہے؛ شرک وکفر، ظلم وجبر اور تمام بدعنوانیوں کو۔ حتی کہ اگر اس کی راہ میں وہ لوگ بھی آڑے آجائیں جو ظاہر میں اسلام کے نام لیوا ہیں مگر حقیقت میں ان کی زندگی اس کی ترجمانی سے یکسر خالی ہوچکی ہے تو پھر یہ انہیں بھی لقمہ تر بنا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (اے ایمان والو! تم میں جو بھی اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ آگے ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے)

ہر زمانہ میں مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے مقام ومنصب کو سمجھیں، اپنے فریضہ کو پہچانیں اور اقوام عالم کے درمیان اپنی اہمیت کو جانیں۔ انہیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ ان کے پاس دین متین

اور قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کی جو بیش بہا دولت موجود ہے، وہ کسی خاص زمان ومکان اور کسی مخصوص قوم یا نسل تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں وہ تمام انسانیت کی ایک ضرورت ہے۔ اسی طرح انہیں یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ اگر کسی دور میں وہ زوال پذیر ہوتے ہیں اور اقوام عالم کے درمیان ان کا وزن گھٹتا ہے تو اس سے محض وہی متاثر نہیں ہوں گے بلکہ ان کی بے وزنی سے پورا عالم متاثر ہوگا اور دنیا کی تمام قومیں چیخ چیخ کر انہیں یہ صدا لگائیں گی کہ اے مسلمانو!

﴿أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ (کچھ پانی میں سے یا جو رزق آپ کو ملا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی عنایت کردو)

موجودہ دور میں اگر پوری دنیا کے مسلمانوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو بڑی حد تک مایوسی ہاتھ آتی ہے، ایک طرف وہ مسلمان طبقہ ہے جو تعیش پسندی کی تمام حدیں پار کر چکا ہے اور مادیت کی ریس میں دنیا کی دیگر قوموں کے شانہ بشانہ چل رہا ہے، نہ اسے اپنی ظاہری وضع قطع کا پاس ہے اور نہ ہی اسلامی شعائر کی جھجک۔ دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو گرچہ تعیش پسند نہیں ہے مگر اسلام پر سو فیصد اس کا بھی یقین بحال نہیں ہے بلکہ وہ بھی دنیاوی عزت کمانے کی خاطر مغربی دنیا کے اصولوں کو اپنے لیے حرز جاں سمجھتا ہے۔ نہ وہ تعلیم میں اپنے آپ کو خود کفیل سمجھتا ہے، نہ طرز معاشرت میں، نہ وہ اسلام کے اقتصادی نظام سے عملاً اتفاق رکھتا ہے اور نہ ہی اسلام کے نظریہ سیاست سے، بلکہ اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ وہ یورپ کے ہر اُگلے ہوئے نوالے کو اپنے لیے کسی سوغات یا تریاق سے کم نہیں سمجھتا۔

ظاہر ہے ایسی صورت حال میں مسلمانوں سے یہ امید رکھنا فضول ہے کہ دنیا کی قومیں انہیں اپنے سروں پر بٹھائیں گی یا ان کو اپنے سر کا تاج سمجھیں گی بلکہ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تو وہی ہونا ہے جو اس وقت عالم گیر سطح پر نظر آرہا ہے۔ آج ہر جگہ مسلمان ثانوی درجہ کے شہری کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں، میڈیا نے ان کے متعلق ذہنوں کو اتنا مسموم کردیا ہے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر لوگوں کی مشکوک نگاہیں انہی کی جانب اٹھتی ہیں، سیاست کی عالمی بساط پر آج وہی مہرے بنے ہوئے ہیں، سپر پاور طاقتیں انہی کی شبیہ کو ہر طرح سے داغ دار کرنے کے درپے ہیں اور ان کی نسلوں کو ختم کرنے کی اسکیمیں بنا رہی ہیں، کہیں انہیں ذہنی اذیتیں دی جارہی ہیں اور کہیں جسمانی اذیتوں سے بھی دوچار کیا جارہا ہے، دانش گاہوں میں انہیں اچھوت بنایا جارہا ہے، ملکی ایوانوں میں انہیں بے حیثیت کیا جارہا ہے، اقتصادی اعتبار سے انہیں کمزور کیا جارہا ہے اور سب سے بڑھ کر ان کے مذہبی مقدسات کو کھلم کھلا اپنا شکار بنایا جارہا ہے۔

مسلمانوں کی تصویر کے اس رخ کو دیکھ کر بظاہر یہ خطرہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب اس منظرنامے پر زیادہ دنوں تک ان کی بقا مشکل ہے، لیکن یہ بات بالکل خلافِ واقعہ، خلافِ عقل اور مایوسی کی ہے۔ زندہ قوموں کی لغت میں ''مشکل'' اور ''ناممکن'' جیسے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ لوہے کو اپنی کلائی سے موڑنے کا ہنر انہیں اچھی طرح آتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ حالات اسی وقت تک خراب ہیں جب تک مسلمان خواب غفلت میں ہیں اور احتساب کے جذبہ سے عاری ہیں، جس دن انہوں نے زندگی کے میدان میں اُنہی سرمدی اصولوں کے ساتھ قدم رکھ لیا جو اصول قرآن حکیم اور نبی کریمؐ کے بیان کردہ ہیں، اسی دن دنیا ان کے قدموں میں ہوگی اور وہی اس کی قیادت کے اہل ہوں گے، مگر اس کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ مسلمان صحیح معنی میں ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' کا مجسم پیکر بنیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ (تم میں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور زمین میں حاکم بنائے گا جیسا اس نے ان کے پہلوں کو حاکم بنایا)

آج سب سے بڑھ کر ضرورت اسی ایمانی طاقت کی ہے جس کے سامنے ہر طاقت گرد ہے، یہی وہ طاقت ہے جس نے قیصر وکسریٰ کے تاج مسلمانوں کے قدموں میں لاکر رکھ دیے تھے۔ موجودہ مسائل ومشکلات کا واحد حل اور مایوسی کے بادلوں کو چھانٹنے کا نسخہ کیمیا یہی ''ایمانی طاقت'' ہے، انشاءاللہ مستقبل مسلمانوں کا ہی ہوگا!

مستقبل مسلمانوں کا ہے!

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

’’کہا جاتا ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ مستقبل اسلام کا ہے، اس لیے کہ اسلام دین حق ہے اور حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا، بلکہ اس کو اتنی بلندی نصیب ہوتی ہے کہ وہ ہمدوش ثریا ہوجاتا ہے، لیکن یہاں ایک دوسری حقیقت ہے جو انسانی تاریخ سے ماخوذ ہے، وہ حقیقت یہ ہے کہ مستقبل ہمیشہ مظلومین کا ہوتا ہے اور ظالم کا زمانہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ صدیوں سے بے چارہ مسلمان مظلوم ہے اور مظلوم کا حق یہ ہے کہ اس کو غلبہ نصیب ہو، اس کے سارے حقوق واپس کیے جائیں، عدل وانصاف تو اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال ہو، اس کی شرافت وعظمت اور بلندی ایک بار پھر واپس ہو، اس کے وہ حق دار بھی ہیں اور اہل بھی لیکن مظلوم کے چھینے ہوئے حقوق کی بحالی کی شرط یہ ہے کہ اس کے اندر خودی اور خود اعتمادی کا احساس جاگزیں ہو، اپنی مظلومیت کا احساس ہو، ظالم کو پہچاننے اور عظمتِ رفتہ کی واپسی کا عزم مصمم پیدا ہو، تب کہیں جا کر وہ اپنے چھینے ہوئے حقوق حاصل کرسکتا ہے۔ حالات اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعور واحساس لوگوں میں پروان چڑھ رہا ہے۔

موجودہ دور میں مسلمان جن حالات کا شکار ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مقصدِ اصلی سے قریب کررہے ہیں اور وہ حالات ظالموں کی شناخت کروا رہے ہیں اور ان ظالموں کی بدبختی کا سبب بن رہے ہیں۔ اگر حقیقت میں مسلمانوں میں یہ شعور بیدار اور پختہ ہوجائے تو یقیناً ان کے ساتھ خدا کی مدد ہوگی اور رحمت خداوندی کے جلو میں وہ زندگی گذاریں گے۔

اگر مسلمانوں کو ان کی حقیقی قوت اور حقیقی سیادت نصیب ہوجائے تو دنیا میں ایک بار پھر مسلمانوں کا پرچم لہرا سکتا ہے، ان کی عظمتِ رفتہ بحال ہوسکتی ہے، ان پر چھائی ہوئی اِدبار کی گھٹائیں چھٹ سکتی ہیں اور ان پر لگائے ہوئے بے بنیاد الزامات کافور ہوسکتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے اور یہ مدد آکر ہی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ☆ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ﴾ (القصص: ٥-٦)

(اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ کمزور کردیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان کے لشکر کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔)

(دعوتِ اسلامی؛ مسائل، اندیشے اور تقاضے: ۲۲۲-۲۲۴)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 16 ⚜ February 2024 ⚜ Issue: 02

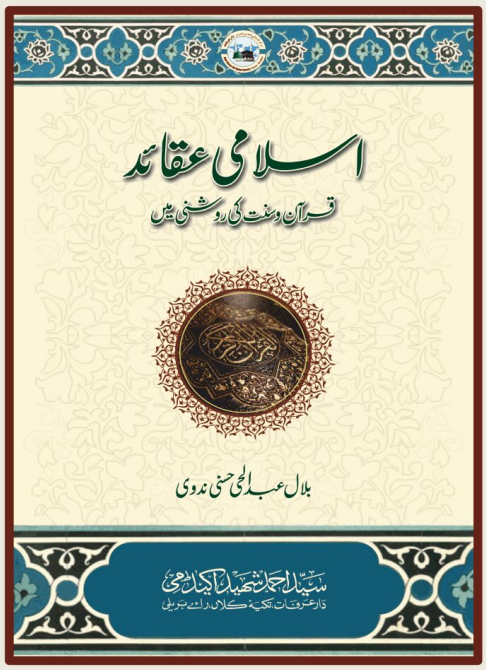

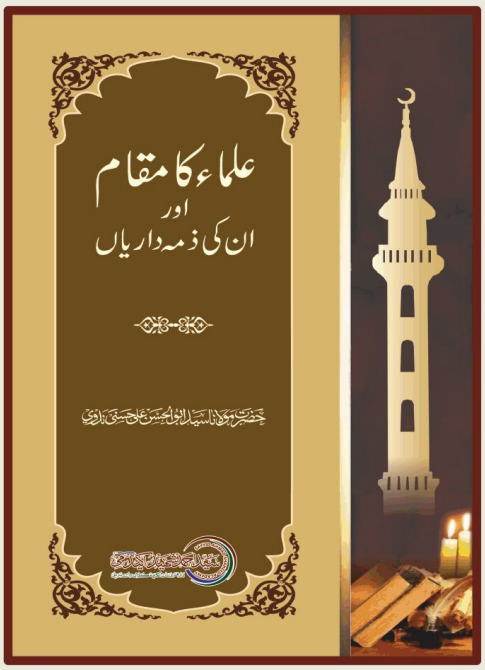

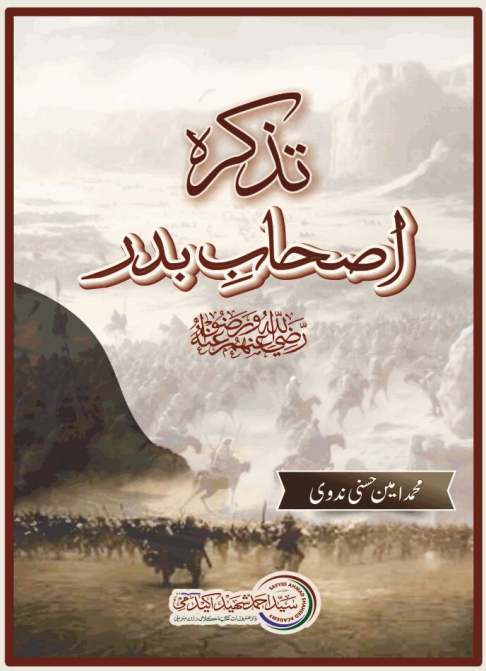

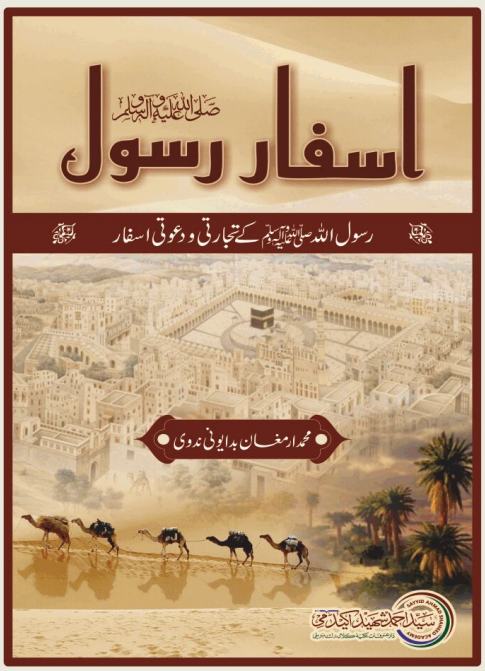

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: **9792646858**
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)